میرا کہنا یہ ہے کہ مسلمانوں کے مسائل کا حل داخل میں ہے خارج میں نہیں۔ اسلام قرآن وسنت کی محکم اور یقینی بنیادوں پر کھڑا ہے، ان کی موجودگی میں حق ہمیشہ باقی رہے گا اور اس کی کوئی غلط تعبیر مسلمانوں میں عمومی طور پر جگہ نہیں پا سکتی۔ ان گمراہ فرقوں کی داستانیں اس کی گواہ ہیں جنھوں نے مسلمانوں میں جنم لیا اور پھر دم توڑ گئے۔ رہی بات مسلمانوں کی تو ان کی اپنی اور پھر دنیا کی ترقی یافتہ اقوام کی تاریخ گواہ ہے کہ قوموں کے عروج وزوال کا انحصار کن باتوں پر ہے۔ ابن خلدون سے لے کر پال کینیڈی تک لوگوں نے بارہا یہ داستان لکھی۔ مسلمان اس کے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ لیں۔ اس کے بعد انھیں یقین آ جائے گا کہ سازش کی نفسیات سے نکلنا اور مثبت انداز فکر اپنانا ہی ان کی ترقی کی طرف پہلا قدم ہے۔

______ خورشید احمد ندیم

فہم انسانی کی فضیلت

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

جانوروں کا جہاں سے دل چاہتا ہے، کھا پی لیتے ہیں۔ کھیت کسی کا ہو، چر لیتے ہیں۔ پیشاب، پاخانہ کرنے میں انھیں موقع ومحل کا لحاظ نہیں ہوتا۔ وہ اپنی دوسری ضرورتیں بھی ایسے ہی پوری کر لیتے ہیں۔

دوسری طرف انسان ہر کام دیکھ بھال کر کرتا ہے۔ کھانے پینے، رفع حاجت اور زندگی کے دوسرے معمولات ایک قاعدے وضابطے کے مطابق انجام دیتا ہے۔ ایسا اس لیے ہے کہ اسے عقل اور سمجھ جیسی دولت عطا کی گئی ہے۔ پھر بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ انسان اپنی خواہش پوری کرنے میں جائز و ناجائز کا فرق بھلا دیتا ہے۔ دوسروں کا مال ہتھیانے اور ان کی عزت پر حملہ کرنے میں اس کو شرم محسوس نہیں ہوتی۔ ماہرین حیاتیات کا کہنا ہے کہ جانوروں کی زندگی بھی ان خاص اصولوں اور رجحانات کے تابع ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت میں راسخ کر دیے ہیں۔ لیکن انسان کو یہ آزادی ملی ہوئی ہے کہ وہ اپنے مقام ومرتبے پر قائم رہے یا اس سے گر کر حیوانی سطح پر آ جائے۔ جب تک انسان ہوش وحواس میں ہوتا ہے، اسے خبر ہوتی ہے کہ وہ انسانی شرف کا پاس کر رہا ہے یا اپنے مقام سے گر چکا ہے۔ لہٰذا عقل اور سمجھ ہی ایسی چیز ہے جو انسانوں اور جانوروں میں تفریق کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

’’ہم نے جنوں اور انسانوں میں سے بہتوں کو دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے۔ ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں، ان کے آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں، ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہیں۔ یہ چوپایوں کے مانند ہیں بلکہ ان سے بھی

زیادہ گم راہ ہیں۔یہی لوگ ہیں جو بالکل بے خبر ہیں۔'' (الاعراف ۷:۱۷۹)

ہم پر لازم ہے کہ قدرت کے اس قیمتی عطیے ''سوجھ بوجھ'' کو کام میں لائیں۔اگر کوئی بات خود سمجھ میں نہیں آتی تو ان لوگوں سے پوچھ لیں جو ہمیں زیادہ سمجھ دار اور عقل مند دکھائی دیتے ہیں۔

_____ محمد وسیم اختر مفتی

اے کاش

''میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس کائنات میں بکھرے ہوئے تمام دکھی لوگوں کے دکھ اپنے دامن میں سمیٹ لوں۔ان لوگوں کی پلکوں پر لرزتے ہوئے آنسو ایک ایک کر کے اپنے دل میں اتار لوں اور خود ایک سمندر بن جاؤں۔میرا ظرف اتنا اعلیٰ ہو جائے کہ بڑی سے بڑی خطا درگزر کروں۔اپنی خواہش کو مٹا دوں، میری ذات دوسروں کے لیے وقف ہو کر رہ جائے۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

یہ ایک بچے کی تحریر ہے جو بچوں کے ایک ہفتہ وار اخبار میں چھپی۔لکھنے والے کا انتہائی کرب اس اقتباس میں نمایاں ہے۔اس کے علاوہ نوع انساں سے بے پایاں ہمدردی بھی اس میں جھلکتی ہے۔بچوں کے احساسات خالص ہوتے ہیں۔وہ مفادات کی دوڑ میں شامل نہیں ہوتے اور ردعمل کی نفسیات سے بھی محفوظ ہوتے ہیں۔یہ دو محرکات بڑوں کی زندگی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، مفادات انھیں بڑے سے بڑے اقدام پر اکساتے ہیں اور ردعمل ناگزیر کام سے بھی گریز پر مجبور کر دیتا ہے۔انھی عوامل کے زیر اثر حق غیر مطلوب ہو جاتا ہے اور ناحق عین حق بن جاتا ہے۔جب ہم بچے تھے، ایسی معصوم خواہشیں اور اس طرح کے دردمندانہ خیالات ہمارے دل میں بھی آتے تھے، لیکن بڑے ہوئے تو دوسری بچگانہ خواہشوں کے ساتھ یہ خیالات آنے بھی بند ہو گئے۔ایسے لگتا ہے جیسے ہماری رقت جاتی رہی ہے اور ایک خشونت نے اس کی جگہ لے لی ہے۔ہم نے عملیت پسندی کا نام دے کر اس خشونت کو چھپانا شروع کر دیا ہے۔دوسروں کا درد محسوس کرنا، اس کو اپنا کرب بنا لینا اور اس احساس کو بانٹنے کی کوشش کرنا اعلیٰ انسانی جذبہ ہے۔بچوں سے بڑھ کر اسے بڑوں میں ہونا چاہیے، لیکن کیا وجہ ہے کہ بڑوں میں یہ قریب قریب مفقود ہوا جاتا ہے؟

انسان غیر محدود خواہشیں لے کر پیدا ہوا ہے، لیکن اس کی صلاحیتیں محدود ہیں۔وہ پر نہیں، لیکن تخیل پرواز رکھتا ہے۔خاکی ہے، مگر اس کی نظر افلاک پر ہے۔وہ زمین پر رہ کر سماوی خواہشیں پوری کرنا چاہتا ہے، حالاں کہ آسمان و زمین

میں بہت بعد ہے۔خواہشات اور حقائق کے اس تفاوت کی وجہ سے تمنائیں دم توڑتی ہیں اور آرزووں کا خون ہوتا ہے۔ کچھ لوگ مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں، وہ آرزو کو کارعبث سمجھنے لگتے ہیں اور انھیں ہر طرف تاریکی نظر آنے لگتی ہے۔ پھر یہ اسی یاس میں اپنی زندگی گزار دیتے ہیں، آدرش اور اعلیٰ انسانی مقاصد سے انھیں کوئی واسطہ نہیں رہتا۔ یہ دوسروں کا بھلا کیا کریں گے، خود ڈانواں ڈول پھرتے ہیں۔اس کے برعکس کچھ افراد بے حس اور خود غرض بن جاتے ہیں۔ وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ پوری مخلوق کا بھلا کرنا ممکن نہیں، ہاں اپنے حال میں مست ہوا جا سکتا ہے۔ایسے لوگ ہر طریقے سے خواہشیں پوری کر لینا اپنا وتیرہ بنا لیتے ہیں۔ دوست دوست کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے سے دریغ نہیں کرتا اور اپنا مطلب پورا کرنے کے لیے بھائی بھائی کا خون کر دیتا ہے۔ بدقسمتی سے دنیا ایسے لوگوں سے بھری پڑی ہے، مگر ایسے اشخاص بھی مل جاتے ہیں جو انسانیت سے ناتا توڑنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ان کی ہر طرح کوشش ہوتی ہے کہ بلند اقدار پر قائم رہا جائے۔ وہ بہت حد تک کامیاب بھی رہتے ہیں، لیکن اس دنیا کے کوتاہ وسائل کی طرح یہاں کا انسان بھی محدود قویٰ رکھتا ہے، اپنی حدود سے آگے جانا اور وسائل سے بڑھ کر کام کرنا، اس کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ ہاں کچھ مثالیں ایسے لوگوں کی مل جاتی ہیں جو بظاہر اپنی طاقت اور میسر ذرائع سے ماورا ہو کر کام کرتے ہیں۔ یہ جن دیو نہیں، بلکہ اپنی دھن کے پکے، لگن کے سچے انسان ہی ہوتے ہیں جو اپنے جنون (dedication) اور اپنی بے خودی و وارفتگی سے ایک مقام پا جاتے ہیں۔ ایسے دیوانے ہر مذہب اور نظریے کے لوگوں میں ملتے ہیں۔ دہریے طاغوت لادینیت کی خاطر اور مشرکین معبودان باطلہ کی رضا جوئی کے لیے تن من کی بازی لگا دیتے ہیں۔ یہ ہونا چاہیے کہ خدا پرستوں کی صفیں بھی اس طرح کے افراد سے بھری ہوں، لیکن افسوس جب سے عشق کی آگ بجھی ہے، اندھیر ہو گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ انصار مدینہ کی صفت بیان فرماتے ہیں: ''اور وہ ان (مہاجرین یا دوسرے اہل ایمان) کو اپنے اوپر ترجیح دے رہے ہیں اگرچہ انھیں خود احتیاج ہو۔'' جب مکہ سے اہل ایمان ہجرت کر کے مدینہ آئے تو انصار نے اپنے باغات، اپنی تجارتوں اور اپنے مویشیوں میں مہاجرین کو حصہ دار بنا لیا۔ پھر جب یہودی اپنی جائدادیں چھوڑ کر مدینہ سے گئے اور بحرین کا علاقہ اسلامی مملکت میں شامل ہوا تو انصار نے یہ سب کچھ بھی مہاجرین کو دے دیا، صرف دو تین غریب انصاریوں نے کچھ حصہ لیا۔ انصار کی یہ بے مثال قربانی بعد کے مسلمانوں کے لیے ایک قابل تقلید نمونہ بنی۔ حضرت ابو ہریرہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مہمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے اسے اپنی ازواج کے پاس بھیجا۔ وہاں سے جواب ملا کہ ہمارے پاس مہمانی کے لیے صرف پانی ہی ہے۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کون اس شخص کی مہمان نوازی کرے گا؟ ایک انصاری (سیدنا ابوطلحہ) نے ذمہ داری اٹھائی اور اپنے گھر لے جا کر بیوی سے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان کی خاطر مدارات کرو۔ اس نے کہا کہ ہمارے پاس تو صرف بچوں کا کھانا ہے۔ انصاری نے کہا کہ کھانا تیار کرو اور بچوں کو سلا دو۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جب وہ مہمان کے ساتھ کھانے بیٹھے تو بہانے سے چراغ گل کر دیا۔خود بھوکے سوئے اور اپنے حصے کا کھانا مہمان کو کھلا دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت ہے کہ ایک صحابی کے گھر تحفے میں بکری کی سری آئی تو انھوں نے یہ کہہ کر اپنے ہمسائے کے ہاں بھیج دی کہ میرا وہ بھائی اور اس کا کنبہ مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہے۔اس نے بھی یہی الفاظ کہے اور سری اگلے ہمسائے کے گھر روانہ کی،اس طرح سات گھروں سے ہوتی ہوئی وہ واپس پہلے گھر میں آ گئی۔

حقیقت میں مہمان نوازی ازل سے انسانی نفسیات میں رچی بسی ہے۔دیہاتی معاشرت میں مہمان کی ضرورت کو مقدم رکھا جاتا ہے، چاہے اس کے لیے پیٹ پر پتھر کیوں نہ باندھنا پڑے۔شہری تہذیبوں میں یہ روایت دم توڑ رہی ہے کیوں کہ معاش پیچیدہ ہونے کی وجہ سے شہروں میں آپا دھاپی کا ماحول ہوتا ہے اور ہر آدمی اپنی الجھنوں میں گرفتار ہوتا ہے۔رشتوں کے کم زور پڑنے سے اس روایت میز بانی یا جذبہ قربانی پر کاری ضرب لگی، البتہ تکلف کچھ مہذب معاشروں میں رواج پا گیا۔ ''پہلے آپ، پہلے آپ'' اسی تہذیب کا ثمرہ ہے۔ٹھوس بنیادیں نہ رکھنے کی وجہ سے یہ بھی مؤثر روایت نہ بن سکا۔دوسروں کے دکھ درد کو محسوس کرنا اور اس کو بانٹنا کئی شعبے رکھتا ہے۔اسی قبیل میں بچوں، بوڑھوں اور کم زوروں کا خیال رکھنا آتا ہے۔مذہب و ملت سے قطع نظر انسانی ہم دردی رکھنا اسی کا اہم جز ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرو روایت فرماتے ہیں ''رحم کرنے والوں پر خدائے رحمان رحم فرماتا ہے۔اہل زمین پر رحم کرو، جو آسمان میں ہے وہ تم پر رحم کرے گا۔'' یہ دردمندی جانوروں کو بھی ایذا پہنچانے سے روکتی ہے۔حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک آدمی کو دوران سفر میں سخت پیاس لگی تو اس نے ایک کنویں میں اتر کر پانی پیا۔جب وہ نکلا تو اس نے دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی شدت سے گیلی مٹی چاٹ رہا ہے۔اس نے سوچا کہ اس کتے کو اسی شدت سے پیاس لگی ہے جس شدت سے مجھے لگی تھی۔وہ پھر کنویں میں اترا، اپنے جوتے کو پانی سے بھرا، اسے منہ میں دبا کر باہر نکلا اور کتے کو پانی پلا دیا۔اللہ تعالیٰ نے اس کی نیکی کو قبول کرتے ہوئے اس کی بخشش کر دی۔حاضرین صحابہ نے پوچھا، کیا جانوروں سے نیکی کا بھی ہمیں صلہ ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہر جگر تر (زندہ جان) میں اجر ملے گا۔''

دوسروں کے درد کو محسوس کرنا، ان کے دکھوں کا مداوا کرنا اور کسی ذی روح کی تکلیف کو اپنا کرب بنا لینا انتہائی بلند انسانی جذبہ ہے۔کاش یہ الفاظ ایک بچے کی بجائے کسی بڑے کے قلم سے نکلے ہوتے: ''میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس کائنات میں بکھرے ہوئے تمام دکھی لوگوں کے دکھ اپنے دامن میں سمیٹ لوں۔ان لوگوں کی پلکوں پر لرزتے ہوئے آنسو ایک ایک کر کے اپنے دل میں اتار لوں اور خود ایک سمندر بن جاؤں۔میرا ظرف اتنا اعلیٰ ہو جائے کہ بڑی سے بڑی خطا درگزر کروں۔اپنی خواہش کو مٹا دوں، میری ذات دوسروں کے لیے وقف ہو کر رہ جائے۔''

_____ محمد وسیم اختر مفتی

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com